(غلام گردش)

کثافت

لندن میں ٹریفک آرام سے رواں دواں تھی۔گاڑیوں کا اژدہام،سیاحوں کی بھرمار،بسوں سے مصروف سڑکیں،یعنی ہر چیز ایسے ہی تھی،جیسے سردیوں میں معمول کے مطابق ہوتی ہے۔1952 کا دسمبر تھا۔5 دسمبر کو جمعہ تھا۔ہنری بڑے ذہنی سکون میں تھا کہ ویک اینڈ پر دو چھٹیاں میسر ہونگیں اور اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ وقت گزار سکے گا۔صبح بستر سے اُٹھنے کے بعد کمرے کی کھڑکی کھولی تو حیران رہ گیا۔کھڑکی کے شیشہ سے باہر کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔گمان ہوا کہ شائد شیشے مکمل طور پر صاف نہیں ہیں۔فوری طور پر کپڑا لیا اور کھڑکی کو صاف کرنا شروع کر دیا۔دو چار منٹ میں جب کھڑکی صاف ہوئی اور دوبارہ باہر دیکھا تو کچھ بھی نظر نہ آیا۔گھبرا کر کھڑکی کھولی تو ایک دم پورا کمرہ مکمل طور پر دھواں سے بھر گیا۔ہنری کو لگا کہ وہ نابینا ہو رہا ہے۔آنکھوں میں شدید جلن شروع ہوگئی۔کھانسی کا شدید دورہ پڑا۔سانس لینے میں تکلیف شروع ہوئی اور بے دم سا ہو گیا۔ہنری کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسکے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔پہلا گمان یہ ہوا کہ شائد کوئی جنگ شروع ہو چکی ہے۔لندن پر شدید بمباری ہو رہی ہے۔نتیجہ میں گرد اور دھواں ہر طرف پھیل چکا ہے۔مگر بمباری کی تو بھیانک آواز ہوتی ہے اور وہ پوری رات آرام سے سویا تھا۔کسی قسم کے شور اور بم کے دھماکوں سے محفوظ۔پھر ہنری سوچنے لگا کہ شائد کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔اس نے انگلی کو دانتوں میں چبایا تو درد سے چیخ نکل گئی۔مکمل طور پر زندہ تھا اور ہوش وحواس میں تھا۔حد سے زیادہ پریشان ہو گیا۔باہر نکل کر دیکھا تو ہر طرف دبیز دھند پھیلی ہوئی تھی۔گھر سے چند فٹ باہر اپنی گاڑی تک نظر نہیں آرہی تھی۔اردگرد کوئی مکان بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ہنری شدید ڈر گیا۔واپس آیا اور کمرے کے کونے میں کرسی پر بیٹھ گیا۔صرف ہنری کے گھر اور باہر کے حالات ہی ایسے نہیں تھے بلکہ پورے لندن پر ایک غلیظ کثافت کا عفریب چھا چکا تھا۔5 دسمبر سے لیکر 8 دسمبر تک یہ دھواں پورے لندن پر قابض رہا۔چار دنوں میں بارہ ہزار لوگ مر گئے۔ایک لاکھ انسان سانس کی بیماریوں سے ہسپتالوں میں پہنچ گئے۔لندن جیسے شہر میں پبلک ٹرانسپورٹ بند کر دی گئی۔وہ ٹرینیں جو لاکھوں مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیکر جاتی تھیں،انہیں بھی بند کرنا پڑا۔حد تو یہ ہے کہ ایمبولینس سروس بھی چار دن کیلئے معطل رہی۔دھند کے مضر اثرات محض تین چار دن تک محدود نہیں رہے۔بلکہ اگلا پورا سال ہسپتال مریضوں سے بھرے رہے۔شہر میں کہرام مچ گیا۔سائنسدانوں کیلئے سوچنے کا مقام تھا کہ سب کچھ کیونکر اور کیسے ہو رہا ہے۔آخر کیا وجہ ہے کہ اتنی بڑی بربادی ہوگئی۔تجربات سے ثابت ہوا کہ ہوا میں سلفر اور نائٹروجن موجود ہے جو فضا میں موجود پانی کے ساتھ شامل ہو کر زہر بنا رہی ہے۔اس سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگ صحت جیسی نعمت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ ادنیٰ درجے کے کوئلے کے استعمال سے جو گیس پیدا ہو رہی ہے،فضائی آلودگی نہ صرف پیدا کر رہی ہے بلکہ بڑھا رہی ہے۔یہ کوئلہ ملوں اور گھروں دونوں میں استعمال ہو رہا تھا۔صنعتی ادارے بے تحاشہ کوئلہ استعمال کر رہے تھے اور اس سے پیدا شدہ کیمیکل مواد دھند کو جنم دے رہا ہے۔ایک عجیب بات اور بھی ہوئی۔اخباروں میں شائع ہوا کہ برطانیہ کے دشمن ملک یعنی فرانس نے انتہائی زہریلا مواد فضا میں شامل کیا ہے۔ہوا چلتے چلتے لندن پہنچ گئی ہے اور لندن ایک عذاب میں مبتلا ہو چکا ہے۔ہنری اسی فوگ سے بیمار ہوا اور ہسپتال پہنچ گیا۔دو چار دن میں سانس کی

شدید بیماری میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔

لندن میں پیدا کردہ صورتحال نے پوری مہذب دنیا کی حکومتوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ فضائی آلودگی سے کیسے محفوظ رہا جائے۔ یہ جدوجہد آج بھی جاری ہے۔ معلوم ہوا کہ ڈیزل سے چلنے والی گاڑیاں اور کارخانے آلودگی پیدا کر رہے ہیں۔ مغربی دنیا نے سب سے پہلے ڈیزل کے استعمال کو تواتر سے ختم کرنے کی مہم شروع کر دی۔ اس میں انہیں کامیابی ہوئی تو دس سے پندرہ فیصد معاملات بہتر ہو گئے۔ ان ممالک نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ گاڑیوں کا بے تحاشہ استعمال آلودگی کو بڑھا رہا ہے اور انسانی جان کیلئے ایک زہر قاتل بن چکا ہے۔ مقامی حکومتوں نے پبلک ٹرانسپورٹ کو بہترین بنانے کیلئے تمام کوششیں شروع کر دیں۔ اس میں یہ ترکیب بھی استعمال کی گئی کہ شہر کے سب سے رش والے علاقوں میں کاروں کی پارکنگ اس درجہ مہنگی کر دی جائے کہ لوگ مجبوراً وہاں گاڑیاں نہ لائیں۔ یہ حکمتِ عملی بھی موثر ثابت ہوئی۔ آج لندن، پیرس اور برلن میں بازاروں میں گاڑیاں کم سے کم نظر آتی ہیں۔ وجہ صرف یہ کہ عوام اور خواص کی سہولت کیلئے اتنی آرام دہ بسیں اور ٹرینیں چل رہی ہیں کہ اکثریت ذاتی گاڑی کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ ساتھ ساتھ مہذب ملکوں نے سائیکلوں کے سفر کیلئے علیحدہ ٹریک بنا دیے۔ اس پر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگ روزانہ سفر کرتے ہیں۔

اس وقت لاہور بالخصوص اور پنجاب بالعموم زہریلی دھند کے اندر ڈوبا ہوا ہے۔ صبح سے لیکر شام تک بلکہ رات تک فضا میں دھویں کے غلیظ بادل ہر دم موجود رہتے ہیں۔ رات کو جیسے ہی درجہ حرارت کم ہوتا ہے تو یہ آلودگی اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ سڑک پر کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ موٹروے اور دیگر سڑکیں یا تو بند کر دی جاتی ہیں یا ان پر موت کا رقص شروع ہو جاتا ہے۔ درجنوں حادثات ہوتے ہیں اور لوگ کیڑوں کی طرح مارے جاتے ہیں۔ ہر دوسرا انسان گلے اور اور سانس کی بیماری میں مبتلا ہے۔ صورتحال اس درجہ مشکل ہے کہ کھڑکی کھولنے سے ایک دم کمروں میں گدلا سا دھواں آہستہ آہستہ آنا شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کے سانس لینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ان علاقوں کی کیفیت بتا رہا ہوں، جہاں سبزہ اور درخت کثرت سے موجود ہیں۔ جہاں یہ نعمتیں نہیں ہیں، وہاں کی صورتحال حد درجہ تکلیف دہ ہے۔ اس کیفیت کا غیر معتبانہ جائزہ لینا ضروری نہیں بلکہ اَشد ضروری ہے۔ W . H . O کی لسٹ کے مطابق دنیا کے دس غلیظ ترین شہروں میں چین، کیمرون، ہندوستان، پاکستان اور ایران کے شہر شامل ہیں۔ فضائی آلودگی کی بدولت سب سے تباہ حال شہر یوڈنگ ہے جو چین میں واقع ہے۔ ماہرین کے مطابق فضا کے ایک میٹر میں بیس مائیکروگرام کثافت ہو تو خطرناک ہو جاتی ہے۔ لاہور میں یہ تعداد دو سو مائیکروگرام تک پہنچ چکی ہے۔ اسکا کیا مطلب ہے کہ فضا میں ہر طرف آلودگی کا راج ہے۔ دراصل ہم لوگ ہوا میں نہیں بلکہ زہر میں سانس لے رہے ہیں۔ ایک اور تجزیہ کے حساب سے یہ آلودگی تین سو کی خطرناک ترین حد کو بھی پار کر چکی ہے۔ اس سروے کے مطابق آج لاہور کی آلودگی 337 ہے۔ یہ بے حد مشکل اور تشویشناک مسئلہ ہے۔ اس درجہ کی قیامت کی ایک توجیہہ تو یہ دی جا رہی ہے کہ ہندوستان میں فصل کٹنے کے بعد لاکھوں کی تعداد میں کھیت جلائے جا رہے ہیں۔ اس سے پیدا ہونے والا دھواں آہستہ آہستہ لاہور اور پنجاب کو لپیٹ میں لے رہا ہے۔ جیسے ہی کھیت جلنے بند ہونگے، صورتحال معمول پر آ جائیگی۔ یہ بالکل اسی طرح کی دلیل ہے جو نصف صدی پہلے لندن میں دی گئی تھی، کہ دشمن ملک یعنی فرانس نے ہماری فضا کو برباد کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سب کچھ کیا دھرا دشمن کا ہے۔ چلیں، ایک لمحے کیلئے ہم اس

اَمر کو مان بھی لیتے ہیں، تو کیا واقعی سب کچھ اتنا سادہ سا ہے۔ یہ صرف اور صرف تھوڑا سا سچ ہے۔ آدھا سچ بھی نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں اندازہ ہے کہ لاہور یا پنجاب میں ڈیزل پر چلنے والی گاڑیوں کی اصل تعداد کتنی ہے۔ کیا کوئی سمجھدار حکمران یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ ان تمام کو مکمل طور پر بند کر دیا جائے۔ قطعاً نہیں۔ کوئی یہ جرات نہیں کرسکتا۔ کیونکہ لوگ ناراض ہو جائینگے۔ ووٹ کم ہو سکتے ہیں۔ انسان کیڑوں کی طرح مرتے رہیں مگر اس پر بات کرنے کیلیئے کوئی تیار نہیں اور ہوگا بھی نہیں۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ کیا ہمیں معلوم ہے کہ فیکٹریوں، بھٹوں اور کارخانوں میں کس درجہ کا کوئلہ استعمال ہو رہا ہے۔ کوئلے کو رہنے دیجئے۔ کارخانوں میں ٹائر اور پلاسٹک جلایا جا رہا ہے۔ اس سے صرف اور صرف زہر پیدا ہو رہا ہے۔ کیا کسی میں ہمت ہے کہ ان تمام کارخانوں اور اداروں کو فی الفور بند کر دے، جو آلودگی کا سبب ہیں۔ ایک نمائشی ہدف سامنے آجاتا ہے جس پر کوئی بھی یقین نہیں کرتا۔ ہمارا نظام اس درجہ بے بس ہے کہ کئی فیکٹریاں رات کے اندھیرے میں بھرپور طریقے سے چلتی ہیں۔ آلودگی پیدا کرتی ہیں۔ صبح مکمل طور پر بند ہوتی ہیں۔ قانون اس حد تک کمزور ہے کہ کوئی انکے مالکان کو ٹکٹکی پر نہیں باندھ سکتا۔ آگے چلیے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کا سیلاب ہے۔ اتنی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو کیسے کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ اس پر بات کرنا مذہبی حوالے سے مشکل بنا دیا گیا ہے۔ اگر کھل کر بات کی جائے کہ بڑھتی ہوئی آبادی ہماری بربادی کا سبب بن چکی ہے تو ہوسکتا ہے کہ کئی مذہبی گروہ حد درجے ناراض ہو جائیں۔ بلکہ احتجاج کرنا شروع کر دیں۔ کوئی صاحب عقل یہ بات نہیں کر رہا کہ بنگلہ دیش بھی تو ایک مسلمان ملک ہے۔ وہاں آبادی پر مکمل کنٹرول کیسے حاصل کیا گیا۔ وہاں کے علماء نے احتجاج کیوں نہیں کیا۔ آخر ان سے یہ تو سیکھنا چاہیے کہ انہوں نے اس مشکل مسئلہ کو کیسے حل کیا۔ مگر یہاں کون سیکھے گا اور کیوں سیکھے گا۔ آبادی کے سیلاب کا فطری ردِعمل آلودگی ہے۔ مگر یہاں کسی کو کوئی فکر نہیں۔

بہت سے اہم نکات یا سوالات ہیں۔ مگر یہ بھی انتہائی اہم ہے کہ اپنے شہروں، قصبوں، دیہاتوں میں نئے درخت کتنے لگا رہے ہیں۔ لاہور شہر میں کتنے نئے پارک بنا رہے ہیں۔ اپنے جنگلات میں نئے درخت لگانے کیلیئے کتنی محنت کر رہے ہیں۔ اس سوال کا جواب کیا ہے۔ کم از کم میرے علم میں نہیں۔ اب سوچیے کہ جب ہم آلودگی کو کم یا ختم کرنے کیلیئے بنیادی سوچ اور اقدام نہیں کر رہے تو نتیجہ کیا ہوگا۔ وہی جو اس وقت ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ عام آدمی تو مجبور ہے کیونکہ اسکے بس میں کچھ نہیں۔ مگر خواص کیوں چپ ہیں۔ جنہیں معلوم ہے کہ یہ دھندا انکے لیے بھی زہر قاتل ہے۔ اگر اس موقعہ پر بھی روایتی مصلحت پسندی سے کام لیا گیا تو یہ کثافت ہمارے جسموں کے ساتھ ساتھ ہماری روحوؤں اور ذہنوں میں بھی گھر بنا لے گی۔ ہم اس گند کو کسی طریقے سے صاف نہیں کر پائینگے۔ ہاں، ایک دوسرے سے ضرور پوچھیں گے کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ ہے کیا!

راؤ منظر حیات